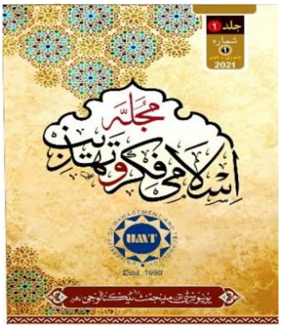

Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)
Volume 1 Issue 1, Spring 2021
Homepage: https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift

Journal QR

Article QR

Amir Hamza

Article:

صفات سے متعلقہ آیاتِ متشابہات فکری مناہج کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical study of thoughts about complex verses regarding qualities

Author(s): Amir Hamza

Affiliation: Department of Islamic Studies, Government Post Graduate College, Gujranwala Pakistan

Article History:
Received: Feb 10, 2021
Revised: Mar 20, 2021
Accepted: April 26, 2021
Available Online: June 26, 2021

Citation: Hamza, Amir, "Analytical study of thoughts about complex verses regarding qualities." *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 1, no.1 (2021): 12–28.

Copyright Information: This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Estd. 1990

Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Science
and Humanities, University of Management and
Technology, Lahore, Pakistan

صفات سے متعلقہ آیاتِ متشابہات فکری مناہج کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical study of thoughts about complex verses regarding qualities

Amir Hamza

Department of Islamic Studies, Government Post Graduate College, Gujranwala Pakistan

Abstract

The Holy Qur’ān is a complete code of life. It gives the humankind physical, moral and spiritual guidance. It also introduces the creature of the universe in vast detail by citing His names, His attributes, His highness and His omnipotence etc. All the attributes pertaining to Allah mentioned in the Holy Qur’ān is divided into two kinds; Rational Attributes and Revealed Attributes. Rational Attributes mean Divine Characteristics that are cited in the Holy text and justified by logic and reasoning as well, e.g., The All Aware, The Omniscient, The All Seeing etc. Revealed Attributes mean the divine Characteristics known by only revealed sources and reason has no access to prove them, e.g., His Hand (yad), His Face (wajh), His rising over (istiwa) the Throne, etc.There is almost consensus on the perception of Rational Attributes, but the second one is highly controversial and debatable in the manner of its understanding. Regardless of Mujassimah and Muattilah (the both are at the extreme ends), there is no unanimity in the school of Ahl ul Sunnah also. We find three major opinion to deal with these attributes:Tafweed: the real meanings of attributes are entrusted to Allah and not be discussed.Taweel: the attributes can be interpreted carefully, so that people could be protected from any deviation.Ithbat: meanings of attributes are determined as same we find in dictionary, but the how-ness is entrusted to Allah.The First Two opinions regarding to the majority of Ahl ul Sunnah, while the last is reported from some Ḥanbalī scholars and contemporary Salfi scholars. This article analyses all three opinions deeply.

Keywords: Holy Qur’ān, humankind, spiritual guidance, attributes, characteristics

۱. تمہید

قرآنیات میں "محکم و متشابہ "ایک وسیع باب کا عنوان ہے، جس میں بحث کی متعدد جہتیں ہیں، پھر ہر جہت ایک مستقل موضوع کی حیثیت رکھتی ہے۔ بحث میں اس قدر تنوع در حقیقت اِحکام وتشابہ کے لغوی معانی میں توسع اور اصطلاحی مفاہیم کے تنوع کے باعث آیا ہے۔ مزید برآں محکم اور متشابہ کی تفسیر اور تعریف میں وارد کثیر اقوال میں سے ہر ایک بحث کا نیا گوشہ متعارف کراتا ہے۔ محکم کسے کہتے ہیں؟ اور متشابہ سے کیا مراد ہے؟ ان کے اطلاقات کیا ہیں؟ کیا دونوں متضاد ہیں یا متوافق؟ یا من وجہ توافق ہے اور من وجہ تضاد؟ یہ سارے سوالات یوں جنم لیتے ہیں کہ قرآن میں کہیں آیات کو علی الاطلاق محکم قرار دیا گیا ہے، جیسے ارشاد ہے: الر كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ (۱) اور بعض مقامات میں کتاب کو علی الاطلاق متشابہ قرار دیا گیا ہے: چنانچہ فرمایا: اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (۲) اور ایک جگہ دونوں کی تفصیل بھی مذکور ہے، ارشادِ ربانی ہے: هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ (۳)

---

[۱] ھود، ۱۱:۱۔

[۲] الزمر، ۲۳:۷۵۔

[۳] آل عمران، ۷:۳۔

گو محققین نے اس کی تنقیح کی ہے کہ پہلی آیت میں محکم سے مراد اتقان اور متانت ہے چنانچہ اس اعتبار سے پورا قرآن محکم ہے یعنی اس کی آیات اس قدر تنظیم اور پختگی ہے کہ کہیں بھی لفظی یا معنوی خلل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، دوسرے مقام میں متشابہ سے مراد یہ ہے کہ قرآن کا بعض حصہ دوسرے حصوں سے استدلال کی قوت، صفتِ اعجاز، فصاحت وبلاغت وغیرہ جیسی صفات میں مماثلت اور مشابہت رکھتا ہے، اس اعتبار سے پورا قرآن متشابہ ہوا، جبکہ تیسری جگہ محکم اور متشابہ کے درمیان فرق کیا گیا ہے، محکم قرآن کا وہ حصہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت واضح ہے اور متشابہ وہ حصہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت واضح نہ ہو۔ (۴)

تاہم اصطلاحی معنوں میں محکم اور متشابہ کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ اس میں متعدد آرا ہیں۔ امام جصاص نے ابوالحسن کرخی سے نقل کیا ہے کہ محکم وہ ہے جس میں صرف ایک معنی کا احتمال ہو اور متشابہ وہ ہے جس میں ایک سے زائد معنوں کا احتمال ہو۔ (۵) علامہ دبوسی کے مطابق: جس لفظ کی مراد کسی دلیل کی بنا پر اس قدر مضبوط ہو چکی ہو کہ اس میں تبدیلی کا امکان نہ رہے وہ محکم ہے، بالکل اسی طرح جس کی مراد سامع پر مشتبہ ہو جائے بایں طور کہ نص اور عقل کے مقتضا میں قطعی طور پر تعارض واقع ہو جائے جس کے ختم ہونے کا امکان نہ ہو۔ (۶) ایک رائے یہ بھی ہے کہ محکم وہ ہے جس کے بیان میں الفاظ کا تکرار نہ ہو اور جہاں ایک ہی بات کو الفاظ کے تکرار سے بیان کیا جائے وہ متشابہ ہے۔ (۷) بعض کے ہاں محکم سے مراد ناسخ ہے اور متشابہ سے مراد منسوخ، بعض حروفِ مقطعات کے علاوہ سارے قرآن کو محکم قرار دیتے ہیں، بعض نے "امر الساعۃ" کو متشابہ قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ تمام حصہ محکم ہے۔ (۸)

اس مقام پر علامہ زرقانی نے عمدہ وضاحت کی ہے، فرماتے ہیں تشابہ کا منشا شارع کے کلام سے اس کی مراد کا مخفی ہونا ہے، پھر یہ خفا کبھی لفظ میں ہوتا ہے، کبھی معنی میں اور کبھی لفظ اور معنی دونوں میں، قسم اول میں وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جہاں خفا کلام کی غرابت، کسی خاص معنی میں اس کے نادر استعمال، غایتِ اختصار یا عدم ترتیب کی بنا پر آیا ہو۔ دوسری قسم یعنی جب خفا صرف معنی کی وجہ سے ہو، اس کی مثال آیاتِ صفات ہیں، تیسری قسم

---

۴ الزرقانی، محمد عبدالعظیم، **مناہل العرفان**، (بیروت: دارالفکر، ۱۹۹۶ء)، ۲: ۱۹۵-۱۹۴۔

۵ الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، **الفصول فی الاصول**، (الکویت: وزارۃ الاوقاف والشوون الاسلامیہ، ۱۹۹۴ء)، ۱: ۳۷۱۔

۶ ان کے الفاظ میں "**وفوق المجمل المتشابه وهو الذي تشابه معناه على السامع من حيث خالف موجب النص موجب العقل قطعاً ويقيناً لا يحتمل التبديل فتشابه المراد بحكم المعارضة بحيث لم يحتمل زوالها بالبيان، لأن موجبات العقول قطعاً لاتحتمل التبديل ولاموجب النص بعد رسول الله ﷺ**" الدبوسی، ابوزید عبیداللہ بن عمر، **تقویم الأدلہ**، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۱ء)، ۱۱۸۔

۷ چنانچہ متشابہ کے اسی معنی میں "علم المتشابہ" کے عنوان سے علامہ زرکشی نے البرہان فی علوم القرآن میں مفصل بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو: الزرکشی، محمد بن بہادر، **البرہان فی علوم القرآن**، (بیروت: دارالمعرفہ، ۱۳۹۱ء)، ۱: ۱۵۳-۱۱۲۔

۸ اس کے علاوہ بھی متعدد اقوال اور تعریفات مروی ہیں جن کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الجوینی، امام الحرمین عبدالملک، **البرہان فی اصول الفقہ** (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء)، ۱: ۱۵۵؛ نیز دکتور عجیل جاسم نشمی نے متعلقہ مقام پر پندرہ کے قریب تعریفات کو یکجا کیا ہے، ملاحظہ ہو، الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، **الفصول فی الاصول**، دراسۃ و تحقیق: دکتور جاسم نشمی (الکویت: وزارۃ الاوقاف والشوون الاسلامیہ، ۱۹۹۴ء)، ۱: ۳۷۱۔

کی مثال آیت مبارکہ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا۟ الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَـٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا۟ الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا۟ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ(۹) ہے۔(۱۰)

زیرِ تحقیق مقالہ میں محکم و متشابہ سے متعلق مذکورہ بالا تمام مباحث کو ذکر کرنا مقصود ہے نہ اس مختصر آرٹیکل میں اس کی گنجائش ہے، بلکہ اس میں متشابہ کی ایک خاص صورت (مذکورہ بالا اقسام میں سے دوسری قسم) سے متعلق احکام و مذاہب کا جائزہ لینا مقصود ہے، یعنی آیاتِ صفات کے متشابہات۔ یہ ایک وسیع اور حساس موضوع ہے، جو علومِ قرآن کے ساتھ ساتھ علم کلام کا بھی کلیدی مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ ایمانیات میں جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اللہ کی صفات اور ان صفات کے تقاضوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ یہیں سے یہ سوال جنم لیتا ہے کہ ایمانیات کے تناظر میں اللہ کی صفات کے اطلاقات کیا ہیں، کیا ہر صفت پر ایمان کی کیفیت یکساں ہے؟ بالفاظِ دیگر کیا انسان اس بات کا مکلف ہے کہ تمام صفات کا حتمی اطلاق تلاش کرے اور ان پر ایمان لائے یا بعض صفات پر ایمان ہی بصورت تشابہ ایک آزمائش ہے۔ اس حوالے سے سلف کے کیا رجحانات رہے ہیں؟ نیز ان فکری رجحانات کی کلامی توجیہات اور عقلی استدلالات کی کیا حیثیت ہے؟ ان سب کا جائزہ لینا بھی ناگزیر ہے۔ آئندہ صفحات میں گفتگو صرف اسی تناظر میں کی جائے گی۔

۲. آیاتِ صفات اور مختلف فکری رجحانات کا اجمالی تعارف

قرآن بنی نوعِ انسان کے لئے ایک کامل راہنما اور مکمل دستور ہے، یہ صرف انسان کو اس کے مقصدِ تخلیق سے آشنا نہیں کرتا بلکہ اس کے خالق و مالک کا پورا تعارف بھی کراتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کا ایک بڑا حصہ خدائے برتر کی توصیف و ثنا، حمد و تسبیح، عظمتِ ذات، اور شانِ صفات میں وارد ہوا ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کی جن صفات کو بیان کیا گیا ہے، دو طرح کی ہیں؛ ایک وہ جن کے اثبات میں وحی کے علاوہ عقل کو بھی دخل ہے یعنی ان کو ثابت ماننا عقل کا بنیادی تقاضا ہے، جیسے علم، ارادہ اور قدرت وغیرہ کی صفات۔ (11) ان صفات کو "صفاتِ عقلیہ" کہا جاتا ہے۔ صفات کی دوسری قسم وہ ہے جن کا اثبات محض وحی اور خبر کی بنا پر ہے، یعنی وہ محض اس لئے ثابت ہیں کہ وحی ان ثبوت کی خبر دیتی ہے، جیسے غضب، رضا اور محبت کی صفات، اسی طرح وجہ، یدین اور عین وغیرہ کی صفات انہیں "صفاتِ خبریہ" کہا جاتا ہے۔ (۱۲)

---

۹ البقرۃ، ۲:۱۸۹۔

۱۰ اس آیت میں خفا لفظی بھی ہے اور معنوی بھی، لفظی اس طرح کہ کلام میں اختصار ہے، تفصیل کے وقت کلام یوں ہوتا: "وليس البر بأن تأتوا البيوت من ظهورها إذا كنتم محرمين بحج أو عمرة" معنوی خفا اس طرح کہ بالفرض آیت میں پوری تفصیل مذکور ہوتی تو بھی اس وقت عرب کے رواج کو جانے بغیر کلام کی مراد سمجھنا مشکل ہوتا۔ اس مقام کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو، الزرقانی، **مناہل العرفان**، ۲:۲۰۲-۲۰۰۔

۱۱ متکلمین صفاتِ عقلیہ سے سات صفات مراد لیتے ہیں؛ حیاۃ، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام، یہ ایسی ذاتی صفات ہیں جو عقل سے ثابت ہوتی ہیں۔ تعلیق محمد عطاء اللہ حنیف، **شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ** از ابو زہرہ، مترجم رئیس احمد جعفری، (لاہور: مکتبہ سلفیہ، ۱۹۷۱ء)، ۳۱۹۔

۱۲ لیکن علامہ ابنِ جوزی اس سے منفرد رائے رکھتے ہیں، ان کے ہاں یہ اضافات ہیں، اور ہر مضاف صفت نہیں ہوتا، لہذا انہیں صفات کہنا درست نہیں، مثلا (روحی) میں روح صفت نہیں مضاف ہے۔ دیکھیے: ابن جوزی، ابوالفرج عبد الرحمن، **دفع شبہ التشبیہ باکف التنزیہ** (بیروت: دار الامام الرواس، ۲۰۰۷ء)، ۱۰۴۔

پہلی قسم کی صفات چونکہ عقل کے اقتضا کے طور پر ثابت ہیں اس لئے ان کے اثبات میں زیادہ قیل و قال نہیں۔ (۱۳) جہاں تک صفاتِ خبریہ کا تعلق ہے تو وہ شدید محلِ نزاع ہیں۔ ان کے بارے میں مختلف فکری رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک فریق سرے سے انکاری ہے، تو دوسرا (پوری تشبیہات کے ساتھ) ان کے اثبات پر مصر ہے۔ افراط و تفریط کی آراء کے علاوہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مذاہب میں بھی تنوع پایا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان صفات میں نظریاتی اعتبار سے تین قسم کے گروہ ہیں۔

۱۔ پہلا گروہ جمہور اہلِ السنۃ والجماعۃ کا ہے، ان کے ہاں صفاتِ خبریہ کا اسی قدر اثبات ہو گا جو اللہ نے خود اپنے لئے کیا ہے۔ اس کی توضیح و تشریح میں کسی بھی ایسے مفہوم سے اجتناب ضروری ہے جو بشری خصوصیات یا جسمانی تقاضوں کو متضمن ہو۔ غرض اہلِ سنت کا مذہب نہایت معتدل ہے، جس میں تنزیہ کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے صفاتِ خبریہ کو ثابت مانا جاتا ہے۔ اہلِ سنت سے مراد ماتریدیہ، اشاعرہ اور محدثین کا طبقہ ہیں۔

۲۔ دوسرا گروہ معطلہ یعنی معتزلہ کا ہے، ان کے ہاں صفاتِ خبریہ کی مکمل نفی ہے، چنانچہ ایسی تمام صفات جنہیں قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت قرار دیا ہے معطلہ ان کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں ایسی صفات کو تسلیم کرنے سے نظریہ توحید میں خلل آتا ہے۔ (۱۴)

۳۔ تیسرا گروہ مجسمہ کا ہے، ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کی یہ تمام انہی معانی اور مفاہیم میں ثابت ہیں جو ہم سمجھتے ہیں، اس میں تعطیل کی گنجائش ہے نہ تاویل کی۔ گویا اگر اللہ کے لئے کہیں ید کا اطلاق ہے تو اس سے مراد یدِ جارحہ ہی ہے۔ یوں مجسمہ اور مشبہہ نہ صرف اعضاو جوارح کو اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں بلکہ ایسی تمام صفات اور خصوصیات کو بھی جائز سمجھتے ہیں جو ایک "جسم" کے لئے ہو سکتی ہیں، جیسے جہاتِ ستہ کا اثبات، اور مکانِ خاص میں تحیز۔ (15) دوسرا اور تیسرا گروہ بالاجماع اہل سنت سے خارج ہے۔ ان کے بطلان میں کسی قسم کا شک نہیں۔ ان کے رد میں ہر قسم کے معقول اور منقول طرز استدلال کا سہارا لیتے ہوئے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ البتہ اہلِ السنۃ کے ہاں رائج نقطہ ہائے نظر کے بارے میں کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔ صفات خبریہ کے حوالے سے "اہل السنۃ" کے موقف کی ترجمانی دو فریق کرتے ہیں: فریق اول جمہور اہلِ سنت ہیں، یہ امت کا سوادِ اعظم ہے۔

---

۱۳ یہ اہلِ سنت کے ہاں ہے۔ معتزلہ ان صفات کی بھی نفی کرتے ہیں لیکن بہت بل پیچ کے ساتھ، یعنی وہ اللہ کے ان صفات پر دلالت کرنے والے اسماء کو مانتے ہیں لیکن صفات کو الگ سے نہیں مانتے کہ اس سے ذاتِ باری کا حدوث سے اتصاف لازم آتا ہے چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ عالم ہے بلا علم، حی ہے بلا حیاۃ، مرید ہے بلا ارادہ متکلم ہے بلا کلام وغیرہ۔ یہیں سے سوال پیدا ہوا کہ جو آگے چل کر مسئلہ خلقِ قرآن کے نام سے مشہور ہوا کہ اگر اللہ متکلم بلا کلام ہے تو قرآن کیا ہے؟ چنانچہ اسے اللہ کی صفت تو قرار نہیں دے سکتے تھے، مجبوراً انہیں قرآن کو اللہ کی مخلوق ماننا پڑا۔ دیکھیے: احمد امین، **ضحی الاسلام**، (قاہرہ، مکتبۃ النہضہ المصریہ، س۔ن)، ۳: ۲۸-۴۴؛ نیز صفات سے متعلق معتزلہ کے اقوال دیکھیے: اشعری، ابوالحسن علی، **مقالات الاسلامیین** (بیروت: المکتبۃ العصریۃ، ۱۹۹۰ء)، ۱: ۲۲۴۔

۱۴ امام ابوالحسن اشعری کے مطابق معتزلہ کے ہاں "وجہ" کا اثبات ہے، باقی تمام صفات کی وہ نفی کرتے ہیں۔ دیکھیے: اشعری، **مقالات الاسلامیین**، ۱: ۲۹۰۔

15 پھر جسم کی تفصیل میں قائلین تجسیم کے مختلف اقوال ہیں، امام اشعری نے سولہ اقوال ذکر کیے ہیں: اشعری، **مقالات الاسلامیین**، ۱: ۲۸۱۔

ان میں محدثین کا طبقہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ شامل ہیں۔ پھر محدثین کے ہاں تفویض کا رجحان غالب ہے اور اشاعرہ وماتریدیہ کے ہاں تاویل کی بھی گنجائش ہے۔ تاہم اس بات پر ان سب کا اتفاق ہے کہ صفاتِ خبریہ متشابہات میں سے ہیں، لغت کے ظاہری معانی سے ان کا مفہوم کشید کرنا خلافِ احتیاط ہے، ان کا درست مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لہذا تفویض نہ صرف درست بالکل سلف صالحین کے طریقے کے عین مطابق ہے۔ فریقِ ثانی بعض حنابلہ، ابنِ تیمیہ اور موجودہ دور کے سلفی حضرات کا ہے، جن کے ہاں صفاتِ خبریہ میں تاویل اور تفویض دونوں غلط ہیں۔ بالخصوص تفویض کی نسبت سلف کی طرف کرنا خلافِ واقع ہے نیز اس سے سلف کی تجہیل لازم آتی ہے۔ درست یہ ہے کہ ان کو کے اپنے معانی ظاہرہ لغویہ کے مطابق ثابت مانا جائے اور کیفیت کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے۔ آئندہ صفحات میں تینوں مذاہب کا (تفویض، تاویل اور اثبات) مختصر تعارف پیش کیا جائے گا۔

۳. مذہبِ تفویض اور اہلِ تفویض

۳.۱ تفویض کا مفہوم

لغت میں "فوض" کے مادہ سے زیادہ تر وہی ابواب مشہور ہیں جن میں تعدیہ الی الغیر کی خصوصیت پائی جاتی ہے، جیسے مفاوضہ، تفاوض، اور تفویض وغیرہ۔ علامہ جوہری کہتے ہیں: **فَوَّضَ إِليه الأَمرَ: رده إليه**(۱۶) ابنِ منظور نے بھی اس کا لغوی مفہوم اسی کے قریب بیان کیا ہے: **فَوَّضَ إِليه الأَمرَ: صَيَّرَه إِليه وجعَلَه الحاكم فيه**(۱۷) حاصل یہ ہے کہ لغت میں کسی چیز یا معاملے کی دوسرے کی طرف تفویض کا مطلب اُسے اس کی طرف لوٹانا اور اس کو اس میں حاکم بنانا لیا جاتا ہے۔ تاہم صفاتِ متشابہ کے باب میں جس تفویض کو سلف کا مذہب قرار دیا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ شریعت میں صفات سے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس پر ایمان لایا جائے اور اس کے ایسے معانی جو تشبیہ و تجسیم کا وہم دیتے ہوں ان کا علم اللہ کے سپرد کیا جائے۔ (۱۸)

یعنی کسی بھی ایسی تفصیل سے اجتناب کیا جائے جو تعطیل یا تجسیم کے زمرے میں آتی ہو، اس بات کا یقین رکھتے ہوئے کہ درست معنی و مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ سلف کا یہی مذہب تھا، جو نہ صرف درست طور پر منقول ہوتا چلا آرہا ہے بلکہ اس پر متاخرین کی جابجا تصریحات موجود ہیں، جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم چند تصریحات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ ایسی آیات اور احادیث کے بارے میں تین گروہ ہیں؛ ایک وہ جن کے ہاں یہ سب اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور ان میں کسی بھی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں، یہ مشبہہ ہیں۔ دوسرا گروہ ان حضرات کا ہے جو کہتے ہیں کہ ان آیات کی کوئی تاویل ضرور ہے، لیکن ہم اپنے اعتقاد کو تشبیہ و تعطیل سے پاک رکھتے ہوئے ان تاویلات سے باز رہیں گے اور یہی کہیں گے کہ **"لا یعلمه الا الله"**. یہ سلف کا قول ہے۔ تیسرا گروہ ان آیات کی مناسب تاویلات کا قائل ہے۔"

---

۱۶ الجوهري، اسماعیل بن حماد، **الصحاح تاج اللغه وصحاح العربیه** (بیروت: دار العلم للملایین، طبعہ رابعہ 1987م)، ۳: ۱۰۹۹۔

۱۷ الأفریقي، **محمد** بن مکرم بن منظور، **لسان العرب** (بیروت: دار صادر، طبعہ اولی)، ۷: ۲۱۰۔

۱۸ العصری، سیف بن علی، **القول التمام باثبات التفویض مذهبا للسلف الکرام**، (عمان: دار الفتح للدراسات والنشر)، ۱۰۳۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: "پہلا مذہب باطل ہے، جبکہ دوسرا اور تیسرا صحابہ سے منقول ہے۔ چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جب استوا کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا "**الاستواء معلوم والکیف مجهول والإيمان به واجب والسؤال عنه بدعة**" امام مالک سے بھی اسی طرح منقول ہے البتہ انہوں نے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جو دوبارہ یہ سوال پوچھے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔" (۱۹)

امام غزالی نے "**الجام العوام عن علم الكلام**" میں تفصیل سے اس مسئلے پر گفتگو کی ہے، جس کے پہلے باب میں سلف کے اعتقاد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مذہبِ سلف کی حقیقت یہ ہے اور وہی ہمارے نزدیک حق ہے ان احادیثِ صفات میں سے جو حدیث بھی کسی عامی شخص کو پہنچے تو اس کے لئے سات امور کا لحاظ ضروری ہے: تقدیس، تصدیق، عجز کا اعتراف، سکوت، امساک، کف اور تسلیمِ اہلِ معرفت۔ تقدیس کا مطلب یہ ہے کہ جسمیت اور اس کے لوازمات سے اللہ کی تنزیہ۔ تصدیق سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ایمان ہے یعنی انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے، وہ اپنے ارشاد میں سچے ہیں، انہوں نے جو کچھ فرمایا اور اپنے ارشاد سے جو کچھ مراد لیا وہ سراسر حق ہے۔ اعترافِ عجز یعنی اس بات کا اقرار کہ الفاظِ صفات سے جو مراد ہے اس کی معرفت ہماری قدرت اور طاقت سے باہر ہے۔ سکوت یعنی ان صفاتِ الٰہی کے بارے میں سوال کرنا چاہیے نہ غور و خوض، کیونکہ ان کے بارے میں سوال بدعت ہے اور غور و خوض سے دین خطرے میں پڑ سکتا ہے، لہذا غور و فکر کا نتیجہ کفر ہو سکتا ہے۔ امساک کا مطلب یہ ہے کہ ان الفاظِ صفات کی تصریف یا کسی دوسری لغت سے تبدیلی، ان کے مفہوم میں کسی طرح کی کمی زیادتی، یا جمع و تفریق (۲۰)

سب سے گریز کرنا چاہیے، بلکہ جو لفظ وارد ہو، اس سلسلے میں اس کے علاوہ دوسرا کوئی لفظ استعمال ہی نہیں کرنا چاہیے۔ کف کا مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کے باطنِ معنی پر بحث اور گفتگو کرنے اور غور و فکر سے رکا رہنا چاہیے۔ تسلیمِ اہلِ معرفت کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعتقاد ہرگز نہ رکھے کہ اگر عجز کی وجہ سے ان الفاظِ صفات کی مراد اُس پر مخفی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیا، صدیقین اور اولیاء وغیرہ پر بھی مخفی ہو گی۔ یہ سات امور ہیں جن پر تمام سلف کا اعتقاد تھا اور جملہ عوام پر ان اعتقاد واجب ہے۔ یہ بات جائز نہیں کہ سلف کے بارے میں ان امور میں سے کسی کے خلاف بھی بدگمانی کی جائے۔ (۲۱)

---

۱۹ الزرکشی، **البرہان فی علوم القرآن**، ۲: ۷۸۔

۲۰ جمع و تفریق کی وضاحت خود امام غزالی نے یوں فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صفات متفرق اوقات میں مختلف سیاق میں سامعین کے سامنے بیان فرمائی ہیں، یہی وجہ ہے کہ مخاطبین کو کبھی اشکال وارد نہیں ہوا، اب اگر بعد میں کوئی ان تمام صفات کو الگ جمع کر دے یعنی باب بیان الید، بیان الساق، بیان القدم وغیرہ تو یقینی طور پر یہ موہمِ تشبیہ ہو گا۔ بالکل اسی طرح اگر ایک جگہ ذکر کیے گئے جملے یا آیت کو اس کے سیاق سے کاٹ کر الگ کیا جائے تو بھی موہم تشبیہ ہو گا، جیسے "**وهو القاهر فوق عباده**" میں سیاق (قہر کا لفظ) فوقیت معنوی (رتبی) پر واضح دلالت کر رہا ہے، لیکن اگر کوئی فوق کو الگ ذکر کرے یعنی یوں کہے "وھو الفوق" تو ایہامِ فوقیت حسی لازم آئے گا۔ دیکھیے: الغزالی، ابو حامد محمد، **الجام العوام عن علم الکلام من مجموعہ رسائل الامام الغزالی** (قاہرہ: المکتبۃ التوفیقیہ)، ۳۲۳۔ تقریباً اسی بات کو امام رازی نے بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، **اساس التقدیس** (قاہرۃ: مکتبہ الکلیات الازہریہ، ۱۹۸۶ء)، ۲۴۲۔

۲۱ ابو زہرہ، محمد، **ابن تیمیہ، حیاتہ و عصرہ، آراءہ وفقہہ** (قاہرہ: دار الفکر العربی، ۱۹۹۱ء)، ۲۴۴۔

۳.۲. تفویض کا محل

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ سلف اس قسم کی متشابہ صفات میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ایسی تمام صفات میں ان کا موقف کامل تفویض اور تسلیم ہوا کرتا تھا۔ تاہم سوال یہ ہے کہ سلف کے ہاں تفویض کا محل کیا تھا؟ کیا وہ لفظ کو ظاہری لغوی معنی پہنا کر اس معنی کی کیفیت کی تفویض کیا کرتے تھے یا خود معنی و مفہوم ہی ان کی تفویض کا محل تھا۔ جیسے لفظ "ید" اگر اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے تو اس کی تفویض کا تقاضا کیا ہو گا؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ اس کا متبادر الی الفہم معنی سمجھ کر اسے اللہ کے لئے ثابت کیا جائے اور کیفیت کو اللہ تعالی کے سپرد کرتے ہوئے اس کے بیان سے سکوت اختیار کیا جائے یا لفظ سنتے اور بولتے ہی تفویض کر دی جائے اور متبادر الی الفہم ظاہری معنی بیان کرنے سے بھی گریز کیا جائے۔

محققین نے اس کی تنقیح کی ہے کہ سلف کے ہاں تفویض کا محل کیفیت کے بجائے لفظ کا معنی تھا۔ چنانچہ ابن قدامہ المقدسی کہتے ہیں کہ: سلف جانتے تھے کہ ان الفاظ کا متکلم صادق ہے جس کے صدق میں کوئی شک نہیں لہذا انہوں نے متکلم کی تصدیق کی، لیکن ان کے معانی کی حقیقت کو نہیں جانتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے سکوت اختیار فرمایا۔ (۲۲) امام احمد سے نزول باری تعالیٰ، رویتِ باری تعالیٰ اور وضع قدم والی روایات کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: "**نؤمن بها ونصدق بها ولا كيف ولا معنى**۔" (۲۳) اسی طرح حافظ ابنِ حجر نے صفات کے مسئلہ میں ابن المنیر سے نقل کیا ہے کہ اس میں تین مذاہب ہیں، تیسرا مذہب ان کے بقول: **والثالث: إمرارها على ما جاءت مفوضاً معناه إلى الله تعالى..** اس کے متصل بعد فرماتے ہیں: "**قال الطيبي: هذا هو المذهب المعتمد وبه يقول السلف الصالح** (۲۴) صرف یہی نہیں بلکہ علمائے سلف و خلف سے ان لوگوں پر شدید نکیر بھی نقل کی گئی ہے جو لفظ کے متبادر الی الفہم معنی کا اللہ کی ذات کے لئے اثبات کرتے ہیں۔ یہ بھی تجسیم ہی کی شکل ہے۔ (۲۵)

امام رازی سلف کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اس مذہب کا حاصل یہ ہے کہ ان متشابہات میں قطعی طور پر یہ اعتقاد واجب ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی مراد وہ نہیں جو ظاہر سے مفہوم ہے۔ ان کے معنٰی کی اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض واجب ہے اور ان کی تفسیر میں غور وخوض جائز نہیں۔ (۲۶) یہاں پر یہ شبہ نہیں رہنا چاہیے کہ اگر معنی کی تفویض سلف کا مذہب تھا تو پھر "**الاستواء معلوم**" کا کیا مطلب ہے، اس لئے کہ معلوم کا معنی ہے معلوم الورود یا معلوم الثبوت۔ اس کی تائید ابنِ قدامہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: "**وقولهم الاستواء غير مجهول: أي غير مجهول الوجود لأن الله تعالى أخبره، وخبره صدق يقيناً لا يجوز الشك فيه ولا ارتياب.**" (۲۷)

---

۲۲ ابنِ قدامہ، موفق الدین، **ذم التاویل** (الشارقۃ: دار الفتح، ۱۹۹۴ء)، ۸۔

۲۳ ابنِ قدامہ، **ذم التاویل**، ۲۰۔

۲۴ ابنِ حجر، **فتح الباری** (مدینہ منورہ: مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، ۱۹۶۴ء)، ۱۳: ۳۹۰۔ (بحوالہ: مقدمہ کتاب دفع شبہ التشبیہ از حسن السقاف: ۲۳)

۲۵ اس کے بارے میں علماء کی آراء آخر میں نقل کی جائیں گی۔

۲۶ فخر الدین محمد بن عمر، **اساس التقدیس**، ۲۳۶۔

۲۷ العصری، **القول التمام**، ۲۹۹، ۳۰۰

۴. مذہبِ تاویل اور اہلِ تاویل

۴.۱. تاویل کا مفہوم

تاویل "اول" سے مشتق ہے۔ لغت میں تاویل کے متعدد معانی آتے ہیں، مثلاً رجوع، تدبر، جمع، تحری اور تفسیر وغیرہ۔(۲۸)لغوی معانی کی طرح تاویل کی اصطلاحی تعریفات میں بھی خاصا تنوع ہے۔ ابوالقاسم سے منقول ہے:

> **"التأويل صرف الآية إلى معنى موافق لما قبلها وما بعدها تحتمله الآية غير مخالف للكتاب والسنة من طريق الاستنباط "(۲۹)**

> تاویل استنباط کے ذریعے آیت کو ایسے معنی پر محمول کرنا جو ما قبل اور مابعد کے موافق ہو، آیت اس کا احتمال بھی رکھتی ہو اور وہ معنی کتاب وسنت کے خلاف بھی نہ ہو۔

تاویل کی ایک تعریف نسبتاً زیادہ مشہور ہے: "مختلف معانی کا احتمال رکھنے والے لفظ کی ایسے احتمال کے مطابق توجیہ کرنا جو دلائل کی بناپر زیادہ ظاہر ہو۔"(۳۰)علامہ زاہد الکوثری لکھتے ہیں کہ: کلام عرب میں بسا اوقات متکلم کی مراد محض سامعِ کلام سے ہی سمجھ لی جاتی ہے، اس میں غور وخوض کی ضرورت نہیں ہوتی، تاہم ایسا بھی ہوتا ہے کہ مراد سمجھنے کے لئے اس معنی میں غور کیا جائے جس کی طرف کلام راجع ہے۔ (تاویل کا حاصل یہی ہے، چنانچہ) تاویل غور وخوض کے بعد اسی معنی کو بیان کرنے کا نام ہے جس کی طرف کلام راجع ہو رہا ہو۔(۳۱)اس میں علماء نے بحث کی ہے کہ تفسیر اور تاویل میں کیا فرق ہے۔ بعض کی رائے میں تفسیر اور تاویل مترادف ہیں، لیکن زرکشی کے مطابق دونوں میں تغایر ہے۔ پھر مختلف فروق بیان فرمائے ہیں، مثلاً تفسیر کا زیادہ تر استعمال الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے اور تاویل کا معانی کے ساتھ جیسے تاویل الرویا، یا تاویل کی تعبیر کتبِ الٰہیہ میں زیادہ استعمال ہوتی ہے اور تفسیر اس کے علاوہ میں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تاویل معنی کی پیچیدگی دور کرنے کو کہتے ہیں لہذا تاویل کا تعلق درایت سے ہے اور تفسیر کا روایت سے۔(۳۲)

۴.۲. متشابہات میں تاویل کا مطلب

حسن سقاف کے مطابق "متشابہات کی تاویل کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ظاہری معانی کو مراد لینے کے بجائے معانی کی روح (مآل) کو بیان کیا جائے، یعنی اس لفظ کا لغتِ عرب، جس میں قرآن نازل ہوا ہے، میں سے کوئی اور بلاغی معنی جیسے مجاز وغیرہ مراد لیا جائے۔"(۳۳)امام غزالی کا نقطہ

---

۲۸ ابن منظور، **لسان العرب**، ۱۱: ۳۲۔

۲۹ الزرکشی، **البرہان فی علوم القرآن**، ۲/ ۱۵۰

۳۰ العصری، **القول التمام**، ۴۰۸ یہ تعریف اصول فقہ کے منہج کے قریب ہے۔

۳۱ الکوثری، محمد زاہد، **تکملۃ الرد علی نونیۃ ابن القیم** (مصر: المکتبۃ الازہریہ للتراث)، ۱۰۶۔ (تکملہ سبکی کبیر کی کتاب السیف الصقیل فی الرد علی ابنِ زفیل کے حاشیہ میں مطبوع ہے)

۳۲ الزرکشی **البرہان فی علوم القرآن**، ۲/ ۱۴۹، ۱۵۰

۳۳ ابن جوزی، **مقدمہ دفع شبہ التشبیہ**، ۸

نظریہ ہے کہ آیاتِ استوا، حدیث نزول، ید اور عین وغیرہ کی جو تفسیر و توضیح سلف سے منقول ہے جس میں وہ مجازی معنی مراد لیتے ہیں، یہ بالکل تاویل نہیں، کیونکہ مجازی معنی ہی ظاہرِ معنی ہے اور فقہا کی اصطلاح میں تاویل کا معنی ہے کسی خاص سبب سے ان معانی تک رسائی جو ظاہرِ معنی کے خلاف ہوں، جبکہ یہاں ظاہرِ معنی کے خلاف دوسرا مفہوم لینے کی ضرورت ہی نہیں۔ غرض اتنی بات طے ہے کہ متشابہات کے باب میں تاویل سے مراد ظاہرِ معنی کا ترک ہے، جو موہمِ تشبیہ و تجسیم ہوتا ہے۔ (۳۴)

۴.۳. تاویل کی ضرورت

نصوص میں تاویل کی ضرورت سے علی الاطلاق انکار کوئی بھی عقلمند نہیں کر سکتا، اس لئے کہ قرآن وسنت میں بیسیوں ایسی نصوص ہیں جن کے ظاہر میں تاویل کیے بغیر چارہ نہیں (۳۵)، تاہم صفاتِ متشابہہ کے بارے میں جمہور سلف کا نقطہ نظر امساک کا رہا ہے۔ لیکن جب اہلِ زیغ نے ان آیات کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے تفسیر شروع کی اور عوام کے دلوں میں شکوک وشبہات انڈیلنے لگے تو متاخرین نے ان آیات میں بھی تاویل کا مذہب اختیار کیا اور اس کی اجازت دی۔ (۳۶) یعنی قرآن وسنت کی روشنی میں ان آیات کو ایسے معانی پر محمول کیا جو نہ صرف عربی زبان وادب کے اسلوب کے عین مطابق تھے بلکہ عقل اور نقل کے تمام تقاضوں سے بھی ہم آہنگ تھے۔ پھر موولین میں دو رجحان پائے جاتے ہیں۔ بعض تاویل کو صرف ضرورت کے وقت اختیار کرنے کے قائل ہیں، ابنِ عساکر نے اشاعرہ کا یہی مذہب ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

> **"فإذا وجدوا من يقول بالتجسيم أو التكييف من المجسمة والمشبهة، ولقوا من يصفه بصفات المحدثات من القائلين بالحدود والجهة ، فحينئذ يسلكون طريق التأويل.... فإذا أمنوا من ذلك رأو أن السكوت أسلم"**

جبکہ دوسری طرف کچھ علماء جیسے بدر الدین ابن جماعہ وغیرہ تاویل ہی کو راجح مسلک قرار دیتے ہیں۔ (37)

۳۴امام غزالی نے الجام العوام میں مثالیں دیکر اس کی وضاحت کی ہے، مثلاً فرماتے ہیں کہ ید کا ایک اصلی معنی ہے یعنی عضو مرکب اور اس کے علاوہ ید دوسرے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسے کہتے ہیں البلدۃ فی ید الامیر اگرچہ وہ امیر مقطوع الید ہی کیوں نہ ہو۔ پس ہر شخص جانتا ہے کہ حدیث میں ید کا پہلا معنی مراد نہیں کیونکہ وہ اللہ کے لئے محال ہے۔ اسی طرح نزول کا ایک معنی تو بلندی سے پستی کی طرف کسی جسم کا انتقال ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی نزول دوسرے معنی میں مستعمل ہے، مثلاً انزل لكم من الانعام ثمانيه ازواج، چونکہ پہلا معنی جسم کے خواص میں سے ہے لہذا اللہ کے لئے اس کا اطلاق جائز نہیں، پھر اگر کوئی کہے کہ نزول کا کیا مطلب ہے، جواب ہوگا کہ اگر تم انزال انعام میں اس کا مطلب سمجھنے سے عاجز ہو تو خدا کے لئے اس لفظ کا فہم کیسے حاصل کر پاؤ گے، بہتر یہ ہے کہ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: **الجام العوام**، ۳۲۱، ۳۲۲

۳۵مثلاً آیات کریمہ: من ذا الذي يقرض الله قرضا حسنا (البقرۃ۲: ۲۴۵)، وأنزلنا الحديد فيه باس شديد (الحدید۵۷: ۲۵) وغیرہ

۳۶الغزالی، **الجام العوام**، ۳۳۱

۳۷العصری، **القول التمام**: ۴۱۳۔

۴.۴ کیا تاویل خلف کی بدعت ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلف میں تاویل کے بجائے سکوت، تفویض اور امساک کا رجحان غالب تھا، اور تاویل کا رجحان زیادہ تر خلف کے ہاں رائج ہوا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تاویل خلف کی ابتداع ہے۔ امام زرکشی کا قول اوپر گزرا ہے، جس میں انہوں نے تاویل کو بھی صحابہ کا مذہب قرار دیا ہے، نیز ابنِ عباس سے بہت سی آیات کی تاویل منقول ہے(38)علاوہ ازیں مجاہد، قتادہ، منصور، سفیان ثوری، امام مالک، امام احمد وغیرہ سے بھی بے شمار تاویلات منقول ہیں۔ (39)اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تاویل کی نسبت سلف کی طرف کرنا درست ہے اور اسے گمراہی سے تعبیر کرنا بذاتِ خود گمراہی ہے۔

۴.۵ تاویلِ صحیح اور تاویلِ فاسد

تاویل کے لغوی مفہوم کی وسعت نے ہر قسم کی تاویل کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے۔ باطل فرقے اپنے باطل عقائد و نظریات کو اساس دینے کے لئے نصوص کی جو مزعومہ تفاسیر پیش کرتے ہیں وہ تاویلاتِ فاسدہ کا نمونہ ہیں۔ اسی وجہ سے بعض سلف سے تاویل کی مذمت منقول ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ تاویل علی الاطلاق مذموم ہے، کیونکہ قرآن و حدیث میں لفظ تاویل مثبت معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ گویا تاویل صحیح بھی ہوتی ہے اور فاسد بھی۔ تاویلِ فاسد کو تحریف بھی کہا جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان حد فاصل کا علم ہونا ضروری ہے۔ ابنِ دقیق العید فرماتے ہیں: "اگر تاویل ایسے مجاز کے ذریعے ہے جو واضح معروف ہے تو حق یہ ہے کہ اسے بغیر توقف کے اختیار کر لیا جائے، اور اگر مجازِ بعید سے ہو جو شاذ ہو تو حق یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اور اگر دونوں جہتیں برابر ہوں تو اس کا جواز اجتہادی مسئلہ ہوگا۔"(۴۰)

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: "جو صرف عن الظاہر بضرورتِ صارفِ قطعی ہو اور موافق قواعدِ عربیہ و شرعیہ ہو وہ تاویل ہے ورنہ تحریف ہے۔"(41)امام غزالی نے تاویل کے موقع پر ایک تنبیہ یہ بھی فرمائی کہ حکم میں کئی احتمالات کا تعارض ہو تو اپنی تاویل کو حتمی اور قطعی نہ سمجھے۔ (۴۲)

خلاصہ یہ کہ تاویل صحیح کے لئے مندرجہ ذیل امور لازم ہیں: تاویل کنندہ عالم کے ساتھ عارف بھی ہو۔ بلاوجہ تاویل سے گریز کرے۔ تاویل کا صارف قطعی ہو۔ تاویل قواعدِ عربیہ و شرعیہ کے بالکل موافق ہو۔ تاویل مجازِ بین و شایع سے کی جائے، مجازِ بعید اور شاذ سے گریز کرے۔ سب سے اہم شرط یہ ہے کہ دیگر احتمالات کا تعارض ہو تو اپنی تاویل کو حتمی اور قطعی مت سمجھے، نہ ہی اس کی بنا پر کسی کی تغلیط یا تضلیل کرے۔

---

۳۸ چنانچہ آپ نے آیت: (والسماء بنيناها بأيد وإنا لموسعون) کی تاویل "بالقوة" سے کی ہے، اسی طرح (يوم يكشف عن ساق) کی تاویل "عن شدة" فرمائی۔ دیکھیے: **تفسیر ابنِ جریر طبری** متعلقہ مقام، بحوالہ **مقدمہ دفع شبہ التشبیہ**، ۱۱

۳۹ ابن جوزی، **مقدمہ دفع شبہ التشبیہ**، ۷-۲۰۔

۴۰ الکوثری، **تکملۃ الرد علی نونیہ ابن القیم**، ۱۰۸

۴۱ تھانوی، اشرف علی، **امداد الفتاوی** (کراچی: مکتبہ دار العلوم، ۱۹۹۹ء)، ۵: ۳۹۹۔

۴۲ الغزالی، **قانون التاویل**، ۲۷

۵. مذہبِ اثبات اور اہلِ اثبات

صفاتِ خبریہ متشابہ کے حوالے سے جمہور اہلِ سنت کا مذہب تفویض کا رہا ہے یا تاویل کا، مگر اہلِ سنت میں سے بعض حضرات نے تفویض کے مذہب کی ایک نئی تشریح پیش کی جو تعبیر میں بظاہر تفویض کے مانند اور حقیقت میں تجسیم و تشبیہ کے زیادہ قریب تھی۔ اگرچہ تعداد میں قلیل سہی، مگر اس تعبیر کو اختیار کرنے والوں کا بہر حال ایک تاریخی تسلسل رہا ہے۔ چنانچہ ابتدائی ادوار میں مقاتل بنِ سلیمان، ابنِ خزیمہ، امام دارمی، ابو عبد اللہ ابنِ حامد، قاضی ابو یعلی وغیرہ، متوسط ادوار میں ابنِ تیمیہ اور ابن قیم اور قریب کے ادوار میں عرب کے سلفی حضرات مثلاً حامد الفقی،، ابن جبرین، عبد الرزاق العفیفی، عبد العزیز ابنِ باز اور ابنِ عثیمین، صالح الفوزان رحمہم اللہ نے اس تعبیر کو اختیار کیا۔ اس کی تائید اور نقد میں جو کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے، بلاشبہ کتب خانے کا ایک بڑا گوشہ ہے۔ اسی لٹریچر نے اسے ایک تفرد اور رائے سے ایک مستقل فکری منہج کا درجہ دے دیا، اس منہج کو اثبات کہا جاتا ہے۔ (۴۳)

۵.۱. مفہوم

اس مذہب کا حاصل یہ ہے کہ قرآن و سنت میں جن صفات کو بیان کیا گیا وہ جوں کی توں ثابت ہیں، ان کے ظاہر میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں۔ نیز ایسی نصوص کا معنی و مفہوم وہی ہے جس کے لئے لغت میں انہیں وضع کیا گیا ہے۔ تاہم ان کی کیفیت مجہول ہے۔ لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ سلف ان صفات کے معنی و مفہوم کی اللہ کی طرف تفویض کرتے تھے، اس سے سلف کی تجہیل لازم آتی ہے۔ (۴۴) اس تعبیر کو اختیار کرنے والے اسے حتمی اور قطعی قرار دیتے ہیں یعنی سلف سے اگر کوئی مذہب منقول ہے تو وہ اثبات ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی دوسرا مذہب گمراہی کے زمرے میں آئے گا۔ چنانچہ ابنِ تیمیہ نے تاویل کو ضلال اور تفویض کو سلف پر بہتان کہا ہے۔[45] نیز کہتے ہیں کہ: تفویض کا قول اہلِ بدعت اور اہلِ الحاد کے اقوال میں سے بدترین قول ہے۔ (۴۶)

لہذا صفاتِ خبریہ سے متعلق نصوص اپنے ظاہری معنی پر ثابت ہیں، استواء سے مراد وہی استوا ہے جو لغت میں معروف ہے، نزول وہی ہوگا جو لغت میں معروف ہے، ید سے مراد وہی ید ہے جو لغت میں معروف ہے یہی حال تمام صفات کا ہے، البتہ کیفیت مجہول ہے، جسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے، نیز یہ تمام صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے "لیس کمثلہ شیئ"۔ بظاہر اس تعبیر کو ماننے والے کیفیت کی تفویض کرتے ہیں اور صفات میں ہر طرح کی مشابہت سے اللہ کی تنزیہ کرتے ہیں، مگر جس نکتے پر یہ تعبیر سلف کے مذہبِ تفویض سے ٹکراتی ہے وہ یہ ہے کہ نصوص کا معنی یقینی طور پر معلوم ہے، اور وہ متبادر الی الفہم لغوی معنی ہے۔ اس کے اثبات کو ہی صفات کا اثبات سمجھا جائے، اور جو شخص نصوص کے معانی کی تفویض یا تاویل کی رائے رکھے اسے اہلِ تعطیل اور جہمی گردانا جائے۔

---

۴۳ ابنِ تیمیہ نے ایک سے زائد جگہ یہ تصریح کی ہے کہ سلف کا مذہب "اثباتِ صفات مع نفی المماثلہ" ہے۔ مثلاً دیکھیے: ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، **مجموع الفتاوی**، مصر، دار الوفاء المنصورۃ، ۲۰۰۵ء)، ۵: ۱۰۵-۱۹۵۔

۴۴ ابن فوزان، صالح، **المنتقی من فتاوی صالح بن فوزان**، ۴۵۴۔ نسخۃ مصورۃ موضوعۃ علی موقعہ الرسمی: http://alfawzan.af.org.sa/

۴۵ ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ۹: ۵۔

۴۶ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، **درء تعارض العقل والنقل** (السعودیہ: طبعہ علی نفقۃ خادم الحرمین الشریفین، ۱۹۹۱ء)، ۱: ۲۰۵۔

۵.۲. مذہبِ اثبات کے چند مظاہر

اس نقطہ نظر کے مطابق زیادہ ارتکاز چونکہ اثباتِ صفات پر ہے اور نفی کے رجحان کو زیادہ پسند نہیں کیا جاتا، لہذا اس کے قائلین نے محض "عدمِ مماثلہ" کی قید رکھ کر بعض ایسے معانی کا اثبات بھی کیا جو بادی النظر میں تجسیم یا تشبیہ کے زمرے میں آتے تھے۔ قائلینِ اثبات کی کتب میں ایسے بے شمار مظاہر ملتے ہیں، یہاں بطور نمونہ چند مظاہر پیش کیے جاتے ہیں۔ مشہور محدث مقاتل بن سلیمان کہتے ہیں: "اللہ جسم ہے، وہ انسان کی صورت ایک جثہ ہے جس کے گوشت، پوست، ہڈی اور بال ہیں، اس کے اعضاو جوارح مثلاً ہاتھ پاوں، زبان اور سر وغیرہ ہیں لیکن اس کے باوجود نہ کوئی اس کے مشابہ ہے اور نہ وہ کسی کے مشابہ۔"(۴۷) بشر مریسی نے جب یہ کہا کہ اللہ کا نزول بذاتہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے نزول سے مراد اس کے حکم اور رحمت کا نزول ہے تو عثمان بنِ سعید دارمی اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **أمّا دعواك أن تفسير القيّوم: "الّذي لا يزول عن مكانه ولا يتحرك" فلا يقبل منك هذا التفسير إلاّ بأثر صحيح مأثور عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم أو بعض أصحابه أو التابعين، لأنّ الحيّ القيّوم يفعل ما يشاء ويتحرك إذا شاء، ويهبط ويرتفع إذا شاء، ويقبض ويبسط، ويقوم ويجلس إذا شاء، لأن أمارة ما بين الحي والميّت، التحرّك، كلّ حيّ متحرّك لا محالة، وكل ميّت غير متحرك لا محالة۔**[۴۸]

گویا "نزول" کو لغوی معنی کے مطابق سمجھ کر اللہ کے لئے اس کا اثبات کیا، اس لئے کہ لغت میں کسی جسم کا علو سے سفل کی طرف حرکت کرنے کو نزول کہا جاتا ہے۔ ابنِ تیمیہ کو بھی امام دارمی کے اس قول سے مکمل اتفاق ہے، چنانچہ جابجا ان کے اس قول کو سند اور دلیل کے طور پر لاتے ہیں۴۹، بلکہ بعض مقامات پر نزول کا مترادف "ہبوط" بھی استعمال کرتے ہیں، جو اس بات کی تصریح ہے کہ وہ اللہ کے لئے نزول کا لغوی معنی ثابت کرتے ہیں۔ بلکہ ابنِ قیم کے مطابق ابنِ تیمیہ دارمی کی اس کتاب کو پڑھنے کی تلقین کیا کرتے تھے اور اسے بہت بلند خیال کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ توحید اور اسماء وصفات کا عقل و نقل سے جس قدر اثبات اس میں ہے کسی اور میں نہیں۔ (۵۰)

۵.۳. مذہبِ اثبات کی بنیاد چند شبہات

مذہبِ اثبات کی مذکورہ بالا تعبیر کا محرک چند شبہات ہیں، جو درحقیقت تفویض اور تاویل کے انکار کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔ ذیل میں مختصراً ان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ (۱) اہلِ اثبات کہتے ہیں کہ مذہبِ تفویض اور تاویل میں تعطیلِ صفات ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت کے بر خلاف ہے، اس لئے کہ سلف کے ہاں "امرار النصوص کما جاءت" کی تعبیر ملتی ہے، یہی تفویض کا حاصل ہے۔ اب اگر کوئی ان نصوص پر ایمان لائے، اس کے انکار کو کفر سمجھے اور معانی کی تعیین میں سکوت اختیار کرے تو اسے تعطیل کہنا مبنی بر انصاف نہیں۔ یہی حال تاویل کا ہے، تاویل میں (صارفِ قطعی کے اقتضا پر) نصوص کو

---

۴۷ اشعری، **مقالات الاسلامیین**، ۱:۲۸۳

48 الدارمی، عثمان بن سعید، **ردالامام الدرامی عثمان بن سعید علی بشر المریسی العنید** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۵۸ھ)، ۲۰۔

۴۹ ابن تیمیہ، **درء تعارض العقل والنقل**، ۱:۳۱۴۔

۵۰ ابن تیمیہ، **درء تعارض العقل والنقل**، ۲:۱۳۔

ظاہری معنی سے مجازی معنی پر محمول کیا جاتا ہے۔ کیا کلام عرب میں کلام کا ایسا مفہوم سمجھنا اس کا انکار کہلاتا ہے؟ بالخصوص جب تاویل اور موول کی لئے ضروری شرائط کی بھی پوری رعایت ہو۔(۲)

یہ شبہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اس امر کی اطاعت و تعبد کیونکر ہو جس کا معنی ہی ہم نہیں جانتے۔ یہ بھی بہت بڑا مغالطہ ہے، اس لئے کہ سلف کا مذہب ہر گز یہ نہیں کہ نصوص کو مہمل خیال کیا جائے، بلکہ وہ معنیِ عام اور معنی خاص میں فرق کرتے ہیں، معنی عام وہ ہوتا ہے جس پر سیاقِ کلام دلالت کرتا ہے، یہ معنی قطعی اور واضح ہوتا ہے، اس کی تفویض نہیں کی جاتی اور اسی میں تعبد مطلوب ہوتا ہے۔ رہا معنی خاص تو اس کا مفہوم ظنی ہوتا ہے، جس کی تفویض میں ہی عافیت ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ آیت (بل یدہ مبسوطتان)(۵۱) کا معنی عام یہود کے نظریے کا ابطال اور اللہ کے انعام واحسان اور جود و کرم کا بیان ہے، یہ معنی قطعی ہے، سبھی اس معنی کو ثابت مانتے ہیں حتی کہ مجسمہ بھی اس معنی کو مانتے ہیں۔ معنی خاص یہ ہے کہ خاص ید سے کیا مراد ہے؟ اس میں سلف کا مذہب تفویض ہے۔(۳) ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ تفویض کے قول سے سلف کی تجہیل لازم آتی ہے، اس کا جواب یہ ہے ناواقفیت وہاں عیب ہوتی ہے جہاں انسان کو علم کا مکلف بنایا گیا ہو اور جس میں خود منشاء خداوندی ابہام اور اخفا ہے وہاں یہ عیب کیونکر شمار ہو۔ بلکہ اس میں اعترافِ عجز ہی علم کی معراج ہے، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "**العجز عن درک الادراک ادراک**"۔ اسی بات کو امام تقی الدین حصنی یوں فرماتے ہیں: جس چیز کا ادراک ناممکن ہو اس کی معرفت کی طلب کھلی جہالت ہے۔(۵۲)

۵.۴ مذہب اثبات۔ ایک تجزیہ

قائلین اثبات کے دلائل و توضیحات کو مد نظر رکھتے ہوئے چند نکات کی صورت میں اس کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) اثبات کے قائلین پر یکساں حکم لگانا درست نہیں، اسلئے کہ اس کے ماننے والوں میں اعتدال اور غلو کے اعتبار سے بہت تفاوت ہے۔ بعض کی تعبیرات صراحتاً تجسیم کے زمرے میں آتی ہیں، مثلاً مقاتل بن سلیمان، یہی وجہ ہے کہ امام اشعری نے ان کے اقوال کو اہلِ تجسیم کے اقوال میں ذکر کیا ہے۔ بعض تجسیم کے قائل تو نہیں مگر جسم کے لوازم اور حدوث کے خصائص کو ثابت مانتے ہیں جیسے امام دارمی حرکت باری تعالی کے قائل ہیں۔ اگرچہ ابنِ تیمیہ بھی بعض جگہ امام دارمی کی موافقت کرتے ہیں مگر ابنِ تیمیہ کے اقوال میں خاصا اضطراب ہے، کہیں نزول کی تاویلات کو رد کرتے ہیں اور ہبوط وغیرہ کے لفظ استعمال کرتے ہی مگر دوسری طرف مماثلت کی نفی کرتے ہیں اور ایسا نزول مانتے ہیں جس میں عرش کا خلو بھی نہ ہو۔ اسی طرح جسم کا اطلاق اس حیثیت سے تو درست نہیں سمجھتے کہ اللہ کے لئے ترکیب اور اعضا و جوارح کا اثبات جائز نہیں مگر ساتھ ہی جسم کے مشار الیہ والے امکان کو جائز سمجھتے ہیں حالانکہ اس میں جہت کو ماننا لازم آتا ہے۔ اسی طرح معاصر سلفی حضرات میں بھی بعض کسی حد تک معتدل ہیں۔ مگر بعض اثبات میں بہت غالی ہیں۔(۵۳)

---

۵۱ المائدۃ، ۵: ۶۴۔

۵۲ العصری، **القول التمام**، ۳۳۸-۴۰۷۔

۵۳ مثلاً خلیل ہراس، انہوں نے ابنِ خزیمہ کی کتاب التوحید پر تعلیق کی ہے اور اس میں مختلف مقامات پر اللہ کے لئے اعضاء جوارح کو ثابت کیا ہے۔ دیکھیے **کتاب التوحید**، ۶۳، ۸۹، ۱۲۶ (بحوالہ القول التمام: ۵۹، ۶۰، حاشیہ)

(۲) اثبات کو زیادہ سے زیادہ ایک "ظن" کے درجے میں قبول کیا جا سکتا ہے جس میں صواب اور خطا کا احتمال ہے، مگر قائلین اثبات اسے ہی قطعی سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کسی بھی دوسرے مذہب کو ضلال، تحریف، تلبیس، تکذیب اور تعطیل گردانتے ہیں، جو بذاتِ خود ایک گمراہی ہے۔

(۳) ابنِ تیمیہ اور حافظ ابنِ قیم جیسے عباقرہ کے لئے شاید عدمِ مماثلہ کی قید کے ساتھ معنی ظاہری کے اثبات اور کیفیت کی تفویض میں خطِ فاصل کھینچنا ممکن ہو، مگر عام آدمی کے لئے اس پیچیدہ مذہب کو سمجھنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ گمراہی کا خطرہ ہے۔ عامی کے لئے یہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اللہ کے لئے "ید" بمعنی المتبادر الفہم بھی ہو لیکن وہ ہمارے ہاتھ کی طرح نہ ہو۔ یہ ایسی ہی ہو گیا کہ **لله نسيان ليس كنسياننا**۔

(۴) اثبات کے قائلین اپنے دعوی میں دو متضاد باتوں کو جمع کرتے ہیں، ایک طرف کہتے ہیں کہ معنی متبادر الی الفہم ثابت ہے ساتھ ہی یہ قید لگاتے ہیں کہ "مایلیق بشانہ"۔ سوال یہ ہے کہ اگر متبادر الی الفہم معنی مراد ہے تو مایلیق بشانہ کی قید کا کیا مطلب؟ اور اگر مایلیق بشانہ معنی مراد ہے تو یہ مجاز ہوا، اور مجاز مراد لینا تاویل ہے۔ (۵) تاویل کے بارے میں بھی اہلِ اثبات میں بہت اضطراب پایا جاتا ہے، ان کے ہاں تاویل کے لئے کوئی لگا بندھا قانون نہیں، کہیں باآسانی تاویل کر لی جاتی ہے اور کہیں اثبات پر اصرار ملتا ہے۔ مثلاً اگر ان سے کہا جائے کہ تاویل کیسے مذموم ہو گی جب کہ کبار مفسرین جن میں صحابہ و تابعین بھی شامل ہیں انہوں نے بہت سی نصوص میں تاویل کی ہے جیسے آیت "**نسوا الله فنسيهم**" میں نسیان کی تاویل "ترک" سے کی گئی ہے، تو جواب ملتا ہے کہ یہ نسیان کی تاویل نہیں تفسیر ہے۔ (۵۴)

۶. خلاصہ بحث

بحث کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔ محکم اور متشابہ کی متعدد تعریفات ہیں سب سے اشمل تعریف وہ ہے جسے امام جصاص نے ابوالحسن کرخی سے نقل کیا ہے کہ محکم وہ ہے جس میں صرف ایک معنی کا احتمال ہو اور متشابہ وہ ہے جس میں ایک سے زائد معنوں کا احتمال ہو۔ تشابہ کا منشا شارع کے کلام سے اس کی مراد کا مخفی ہونا ہے، پھر یہ خفا کبھی لفظ میں ہوتا ہے، کبھی معنی میں اور کبھی لفظ اور معنی دونوں میں، صفاتِ متشابہات کا تعلق تشابہ کی دوسری قسم سے ہے۔ صفات کی دو قسمیں ہیں؛ صفاتِ عقلیہ اور صفاتِ خبریہ، اول سے مراد وہ صفات ہیں جن کے اثبات میں وحی کے علاوہ عقل کو بھی دخل ہے یعنی ان کو ثابت ماننا عقل کا بنیادی تقاضا ہے، جیسے علم، ارادہ اور قدرت وغیرہ کی صفات۔ صفات کی دوسری قسم وہ ہے جن کا اثبات محض وحی اور خبر کی بنا پر ہے، یعنی وہ محض اس لئے ثابت ہیں کہ وحی ان ثبوت کی خبر دیتی ہے، جیسے غضب، رضا اور محبت کی صفات، اسی طرح وجہ، یدین اور عین وغیرہ کی صفات، انہیں "صفاتِ خبریہ" کہا جاتا ہے۔ یہ آخری قسم شدید محلِ نزاع ہے۔ معتزلہ کے ہاں صفات کا مطلقاً اثبات نہیں اسی لئے انہیں معطلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف ایک گروہ انہیں اسی طرح ثابت مانتا ہے جیسے مخلوقات کی صفات۔ انہیں مجسمہ یا مشبھہ کہتے ہیں۔ اہلِ سنت کے ہاں دو طرح کے رجحانات ہیں؛ جمہور اہلِ سنت کے ہاں صفات میں تفویض اور تاویل دونوں جائز ہیں، جبکہ دوسری طرف بعض حنابلہ، ابنِ تیمیہ اور معاصر سلفی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ تفویض اور تاویل دونوں ناجائز ہیں، بلکہ صفات کا ان کے ظاہری معانی کے مطابق اثبات کیا جائے گا۔ صفات میں

---

۵۴ یہ بات علامہ صابونی نے کی تھی جس کا جواب ابنِ باز نے یونہی دیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے: **مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ**، ۳:۷۵۔

تاویل جائز، بلکہ بعض سلف سے ثابت ہے، تاہم بطور مذہب کے اس کا رواج خلف میں ہوا۔ تاویلِ صحیح وہ ہو گی جہاں تاویل کنندہ عارف ہو اور کسی ضرورت شرعی کی بنا پر نص کو ایسے معنی پر محمول کرے جس میں کسی قسم کا لغوی یا شرعی خلل نہ ہو، نیز اپنی تاویل کو قطع نہ سمجھے۔ اگر ان شرائط سے عدول کیا جاتا ہے تو وہ تاویل تحریف کہلائے گی۔ اثبات کو زیادہ سے زیادہ ایک ظنی رائے کا درجہ دیا جا سکتا ہے، جس کی بنا پر تفویض اور تاویل کو ضلال کہنا خود گمراہی ہے۔ تفویض اور اثبات میں فرق یہ ہے کہ تفویض میں نصوص کو سچا جانتے ہوئے ان پر ایمان لانے کو کافی سمجھا جاتا ہے، اس کے ایسے معانی بیان کرنے سے گریز کیا جاتا ہے جو موہمِ تشبیہ ہوں، جبکہ اثبات میں معنی ظاہری کو ثابت کیا جاتا ہے اور کیف میں سکوت اختیار کیا جاتا ہے۔ اہلِ تفویض اور اثبات دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کی صفات مخلوق کے مشابہ نہیں، یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو اہلِ اثبات کو اہلِ تجسیم سے ممتاز کرتا ہے۔ آخر میں بطور خلاصہ صفات کے مسئلے میں مذاہب کا انضباط ایک جدول کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

نمبر شمار	کلامی گروہ	دعوی	نمائندہ شخصیات	دلیل
۱.	مجسمہ	صفاتِ خبریہ انہی معانی اور مفاہیم میں ثابت ہیں جو ہم سمجھتے ہیں، اس میں تعطیل کی گنجائش ہے نہ تاویل کی۔ گویا اگر اللہ کے لئے کہیں ید کا اطلاق ہے تو اس سے مراد یدِ جارحہ ہی ہے۔	داود الجوارbی، ہشام بن الحکم، ہشام بن سالم الجوالیقی	نصوص کے ظاہر پر عمل واجب ہے، خواہ اس کا مقتضا جو بھی ہو۔
۲.	معطلہ	معطلہ صفاتِ خبریہ کا مکمل انکار کرتے ہیں۔	ابو الہذیل، عبد الجبار، نظام، عباد بن سلیمان، جبائی وغیرہ	ایسی صفات کو تسلیم کرنے سے نظریہ توحید میں خلل آتا ہے۔
۳.	محدثین	صفاتِ خبریہ میں معانی کی تفویض کی جائے گی۔ یعنی صفات سے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس پر ایمان لایا جائے اور اس کے معنی و مفہوم کا علم اللہ کے سپرد کیا جائے۔	ابو حنیفہ، سفیان ثوری، مالک، عبداللہ بن المبارک وغیرہ	قرآن پاک میں متشابہات کے اتباع سے منع کیا گیا ہے۔
۴.	اشاعرہ	صفات خبریہ میں تفویض کے علاوہ تاویل بھی جائز ہے، یعنی کسی صفت کے ظاہری معنی کے بجائے اس کی روح اور مقتضا کو بیان کیا جائے تاکہ شبہات کا ازالہ ہو سکے۔	ابو الحسن اشعری، باقلانی، غزالی، ابنِ جوزی، رازی	فکری کج روی کا سد باب، نیز تاویل کا جواز خود صحابہ سے ثابت ہے۔
۵.	بعض حنابلہ اور سلفی حضرات	یہ اثبات کے قائل ہیں یعنی صفات خبریہ سے مراد ان کے وہی معانی لیے جائیں جو متبادر الی الفہم ہیں تاہم کیفیت میں تشبیہ کی نفی کی جائے گی۔ تفویض اور اثبات میں فرق یہ ہے کہ تفویض کا محل نفسِ معنی ہے جبکہ اثبات میں معنی سمجھنے کی حد تک بندہ مکلف ہے گو کیفیت معلوم نہیں۔	عثمان بن سعید دارمی، ابنِ تیمیہ، ابن القیم، معاصر سلفی حضرات مثلاً خلیل ہراس، ابنِ باز وغیرہ	تفویض سے سلف کی تجہیل لازم آتی ہے اور تاویل بدعت ہے۔

کتابیات

الزرقانی، محمد عبدالعظیم، **مناہل العرفان**، (بیروت: دارالفکر، ۱۹۹۶ء)۔

الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، **الفصول فی الاصول**، (الکویت: وزارۃ الاوقاف والشوون الاسلامیہ، ۱۹۹۴ء)۔

الدبوسی، ابوزید عبیداللہ بن عمر، **تقویم الأدلہ**، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۱ء)۔

الزرکشی، محمد بن بھادر، **البرہان فی علوم القرآن**، (بیروت: دارالمعرفہ، ۱۳۹۱ء)،۔

:الجوینی، امام الحرمین عبدالملک، **البرہان فی اصول الفقہ** (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء)۔

الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، **الفصول فی الاصول** (الکویت: وزارۃ الاوقاف والشوون الاسلامیہ، ۱۹۹۴ء)۔

تعلیق محمد عطاءاللہ حنیف، **شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ** از ابوزہرہ، مترجم رئیس احمد جعفری، (لاہور: مکتبہ سلفیہ، ۱۹۷۱ء)۔

ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمن، **دفع شبہ التشبیہ باکف التنزیہ** (بیروت: دارالامام الرواس، ۲۰۰۷ء)۔

احمد امین، **ضحی الاسلام** (قاہرہ، مکتبۃ النہضہ المصریہ، س۔ن)۔

اشعری، ابوالحسن علی، **مقالات الاسلامیین** (بیروت: المکتبۃ العصریۃ، ۱۹۹۰ء)۔

الجوھري، اسماعیل بن حماد، **الصحاح تاج اللغہ وصحاح العربیہ** (بیروت: دارالعلم للملایین، طبعہ رابعہ ۱۹۸۷م)۔

الأفریقی، محمد بن مکرم بن منظور، **لسان العرب** (بیروت: دار صادر، طبعہ اولی)۔

العصری، سیف بن علی، **القول التمام باثبات التفویض مذہبا للسلف الکرام**، (عمان: دارالفتح للدراسات والنشر)۔

الغزالی، ابوحامد محمد، **الجام العوام عن علم الکلام من مجموعۃ رسائل الامام الغزالی** (قاہرہ: المکتبۃ التوفیقیہ)۔

الرازی، فخرالدین محمد بن عمر، **اساس التقدیس** (قاہرۃ: مکتبہ الکلیات الازہریہ، ۱۹۸۶ء)،۔

ابوزہرہ، محمد، **ابن تیمیہ، حیاتہ وعصرہ، آراءہ وفقہہ** (قاہرہ: دارالفکر العربی، ۱۹۹۱ء)۔

ابنِ قدامہ، موفق الدین، **ذم التاویل** (الشارقۃ: دارالفتح، ۱۹۹۴ء)۔

ابنِ حجر، **فتح الباری** (مدینہ منورہ: مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، ۱۹۶۴ء)۔

تھانوی، اشرف علی، **امدادالفتاوی** (کراچی: مکتبہ دارالعلوم، ۱۹۹۹ء)۔

ابن فوزان، صالح، **المنتقی من فتاوی صالح بن فوزان**، ۴۵۴۔ نسخۃ مصورۃ موضوعۃ علی موقعہ الرسمی:http://alfawzan.af.org.sa/

ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، **درء تعارض العقل والنقل** (السعودیہ: طبعہ علی نفقۃ خادم الحرمین الشریفین، ۱۹۹۱ء)

الدارمی، عثمان بن سعید، **ردالامام الدرامی عثمان بن سعید علی بشر المریسی العنید** (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۳۵۸ھ)